

حدیث اور قرآن

منکرین حدیث کے مسلک ایک قدامت

ہمارے پاس رسالہ ”بلغ“ امرتسر کے دفتر سے ایک رسالہ بغرض تبصرہ آیا ہے جس کا عنوان ہے ”منکر حدیث کیوں ہوا“ مصنف کوئی صاحب ہیں جنہوں نے اپنے لئے حق کو ”کالقب اختیار فرمایا ہے۔ انہی حق کو ”صاحب کا ایک فصل مضمون ”مطالعہ حدیث“ کے عنوان سے بھی نکلا اور ”بلغ“ کے صفحات میں باقسط شائع ہوتا رہا ہے جس کے بعض حصے ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ دلائل قریب قریب وہی ہیں جو عموماً منکرین حدیث کی جانب سے پیش کئے جاتے ہیں، اور ان سب کا مال یہ ہے کہ ہمارے صرف قرآن کافی ہے، حدیث کی روایات ناقابل اعتبار ہیں، اور ان پر مذہب کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے۔ حق گو صاحب اور ان کے ہم خیال منکرین حدیث کی رائے میں حدیث نے اسلام کو قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، بلکہ اس کے برعکس اسی چیز نے دشمنان اسلام کو وہ اسلام فراہم کئے۔ جن سے وہ اسلام پر حملے کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی خواہش ہے کہ اسلام سے حدیث کو بالکل خارج کر دیا جائے اور اس کو وہ اسلام کی ایک بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔

حق گو صاحب نے اپنی تائید میں حدیث کی کتابوں سے بہت سی شہادتیں پیش کی ہیں جن سے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ احادیث سے کس طرح دشمنوں کو اسلام اور رسول اکرم کی رسالت پر حملہ کرنے کے لئے سواد حاصل ہوتا ہے مثلاً بعض احادیث تحریف قرآن کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ بعض اس الزام کی تائید کرتی ہیں کہ وحی نزول ایک ڈھونگ تھا، رسول اللہ جو کچھ اہل کتاب کے

سنتے تھے اسی کو وحی بنا کر پیش کر دیتے تھے (معاذ اللہ) بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی کا نزول رسول اللہ ﷺ کی خواہشات نفسانی کے مطابق ہوتا تھا، بعض اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سحر رکھتے جاتے تھے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ اپنے مخالفین کو خفیہ طریقوں سے قتل کر دیتے تھے (کتب اثرات کا واقعہ) بعض سے رسول اللہ پر ظلم اور بے رحمی کا الزام عائد ہوتا ہے (عکس اور عرینہ دانون کا قتل) بعض سے رسول اللہ پر نفس پرستی کا الزام نکلتا ہے۔ اسی سلسلہ میں مصنف نے رسول اکرم پر شانہ ایکٹ بھی نافذ کیا ہے اور ان سب روایات کو ناقابل تسلیم ٹھیرا دیا ہے جو امام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے نو سال کی عمر میں شادی ہونا ثابت کرتی ہیں۔ اس کے بعد مصنف علم حدیث پر عام اعتراضات کرتا ہے۔ اس کے خیال میں حدیث کی اشاعت عہد خلفائے راشدین میں ممنوع تھی بنو امیہ اور آل عباس کے زمانے میں روایت کا سلسلہ شروع ہوا، اور پادشاہوں کی سیاسی اغراض کے لئے حدیثیں وضع کی گئیں۔ امام حسن بصری، امام زہری، امام مالک، صلح ستہ کے مصنفین اور دوسرے وہ لوگ جنہوں نے حدیث کی کتابیں تدوین کی ہیں سب کے سب مصنف کے زعم میں وضع حدیث تھے، اور ان لوگوں نے بے سرو پا روایتیں جمع کر کے اسلام کو مخ کر دیا۔ سیاسی اغراض کے علاوہ حدیث میں یہودیت، مجوسیت اور دوسرے مذاہب کے عقائد اور خرافات بھی داخل ہو گئے، پانچ وقت کی نماز، تیس دن روزے، اصراط اور میزان کا تغیل، احکام ذبیحہ لکھنے پینے کی چیزوں میں مذہب کا دخل، ختنہ، قربانی، احکام طہارت، تصاویر و تماثل کی حرمت، معراج کے قصے اور ایسی ہی بہت سی چیزیں مصنف کے نزدیک محدثین نے دوسرے مذاہب سے لیں اور رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے اسلام میں داخل کر دیں۔ اللہ رقتہ بھی مصنف کے نزدیک قابل لعن ہیں، کیونکہ انہوں نے شریعت کا تغیل یہودیوں سے کر کے اسلام کے سرچسپک دیا، زندگی کے تمام معاملات پر مذہب کو عادی کر دیا، جو تو ان میں عراق کی آب و ہوا اور پہلی دوسری صدی کے حالات کی بنا پر وضع کئے گئے تھے، رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے

مذہبی قوانین بنادے گئے اور اس طرح مذہب اسلام "قومی شریعت" کا پابند ہو کر اس قابل نہ رہا کہ دنیا میں اس کی اشاعت ہوتی، اور دوسری قومیں اس کا اتباع کر سکتیں، مصنف کے نزدیک سینٹ پال اور اس کے متبعین کا یہ خیال درست تھا کہ مذہب (یعنی ایمانیات) کو شریعت سے الگ کر دیا جائے، اور یہی چیز دنیا میں مسیحیت کی اشاعت کا سبب ہوئی۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی مصنف کے خیال میں اس لئے ہوئی کہ شریعت کی بیڑیوں کو کاٹ دیں، اور زندگی کے معاملات کو مذہب کی پابندیوں سے آزاد کر دیں۔ دلیل میں یہ آیت پیش کی گئی ہے کہ یَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ اس آیت میں اغلال سے مراد مصنف کے نزدیک "اعلال شریعت" ہیں۔ غیر ائمہ فقہ اور ائمہ حدیث نے رسول اللہ کے خلاف بغاوت کر کے پھر اپنی اغلال شریعت کو مسلمانوں پر ڈال دیا جنہیں کاٹنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے گئے تھے، اور یہود کی تقلید یا روایت حدیث، اور "شریعت سازی" شروع کر دی۔ یہ سب کچھ مصنف کی رائے میں اس لئے کیا گیا کہ یہود کے فریسیوں کی طرح مسلمانوں پر اپنی گرفت قائم کی جائے اور اس کے لئے رسول اللہ کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا۔

پھر لطف یہ ہے کہ مصنف اپنے ان تمام نظریات کی بنیاد تاریخی استدلال پر رکھتا ہے۔ حالانکہ اگر حدیث کی روایات قابل اعتبار نہیں ہیں، تو تاریخ ان سے بھی زیادہ ناقابل اعتبار ہے۔ حدیث میں تو ہمارے زمانہ سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کو ام یا ائمہ تک اسناد کا پورا سلسلہ موجود ہے خواہ وہ آپ کے نزدیک مشکوک ہی کیوں نہ ہو لیکن تاریخ کے پاس تو کوئی سند ہی نہیں ہے۔ جن قدیم کتابوں کو آپ تاریخ کا سب سے زیادہ معتبر ذخیرہ سمجھتے ہیں ان کے متعلق آپ کے پاس کوئی ایسا ثبوت موجود نہیں ہے کہ جن مصنفین کی طرف وہ منسوب ہیں وہ انہیں کی لکھی ہوئی ہیں اسی طرح جو حالات ان کتابوں میں لکھے ہیں ان کے لئے بھی آپ کوئی ایسی سند نہیں رکھتے جس کی بنا پر ان کی صحت کا یقین کیا جاسکے۔

اگر حدیث مسلسل اور مستند روایات کی تکذیب اس آسانی کے ساتھ کی جاسکتی ہے تو تاریخ کے پورے ذخیرے کو اس سے بھی زیادہ آسانی کے ساتھ رد کر دیا جاسکتا ہے۔ ایک شخص بے تکلف کہہ سکتا ہے کہ عباسیوں کا وجود دنیا میں کہیں نہ تھا، اموی کسی سلطنت کے بانی نہ تھے سکندر کا وجود محض ایک افسانہ ہے، غرض تاریخ کے ہر واقعہ کو اس دلیل سے بدرجہا زیادہ قوی دلیل کی بنا پر جھٹلایا جاسکتا ہے جس کی بنا پر آپ حدیث کو جھٹلاتے ہیں، کیونکہ دنیا میں زمانہ گزشتہ کے حالات کا کوئی ذخیرہ اتنا مستند نہیں ہے، جتنا حدیث کا ذخیرہ ہے، اور جب وہ بھی ناقابل اعتبار ہے، تو قدیم زمانہ کے متعلق جتنی روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ سب دریا برد کر دینے کے قابل ہیں تعجب ہے کہ جو شخص حدیث کی روایات سے انکار کرتا ہو، اور جس کے نزدیک یہ ممکن ہو کہ رسول اللہ سے قریب تر زمانہ میں، ایسے ایسے نامور مسلمان جن سے زیادہ نمایاں ہتیاں مسلمانوں کی قوم سے پیش نہیں کی جاسکتیں، اسلام کا دعویٰ رکھنے کے باوجود رسول اللہ پر ہتیاں گھڑ سکتے تھے، اور اپنے دل سے حدیثیں وضع کر کے رسول اللہ کی طرف منسوب کر سکتے تھے، وہ تاریخ پر کیسے اعتماد کرتا ہے، اور کیوں نہیں کہتا کہ طبری، ابن اثیر، ابن خلدون اور تاریخ کی تمام کتابیں موضوع ہیں، افسانہ ہیں، اور گزشتہ زمانہ کا کوئی حال ہم تک صحت کے ساتھ نہیں پہنچا ہے۔ اس سے زیادہ ستم طریقہ یہ ہے کہ جو شخص بخاری و مسلم، ترمذی اور ابوداؤد حتیٰ کہ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام حسن بصری تک کو ناقابل اعتماد سمجھتا ہے وہ فون کر میرے استناد کرنے میں تامل نہیں کرتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بات کی سچ آدمی کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔

حق گو صاحب کا رسالہ اگر کوئی نادانق مسلمان یا غیر مسلم پڑھے تو اس کے دل پر یہ بات نقش ہو جائے گی کہ رسول اللہ کی وفات پر پچاس برس بھی نہ گزرے تھے کہ مسلمانوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف عام بغاوت کر دی اور وہی لوگ اس بغاوت کے سرغننے بنے جو اسلام کی مذہبی تاریخ میں سب سے زیادہ نمایاں ہیں، اور جنہیں مذہب اسلام کا ستون سمجھا جاتا ہے۔ ان لوگوں کے

دل میں ایمان کا شائبہ تک نہ تھا کہ انہوں نے اپنی اغراض کے لئے حدیث، فقہ، سنت، اور شریعت کے شاندار الفاظ گھڑے، اور دنیا کو دہوکہ دینے کے لئے وہ باتیں رسول اللہ کی طرف منسوب کیں جو آنحضرت اور قرآن کی تعلیم کے بالکل خلاف تھیں۔ یہ اثر پڑنے کے بعد ہمیں امید نہیں کہ کوئی شخص اسلام کی صداقت کا قائل ہو گا۔ کیونکہ جس مذہب کے ائمہ اور ممتاز ترین داعیوں کا حال یہ ہو اس کے پیروں میں صحت حق کو صاحب اور ان کے ہم خیال گنتی کے چند آدمیوں کو دیکھ کر کون عقلمند یہ باور کرے گا کہ ایسا مذہب بھی کوئی سچا مذہب ہو سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس قسم کے اعتراضات کو دیکھ کر ایک شخص اس امر میں بھی شک کو سکتا ہے کہ آیا اسلام اپنی اصلی شکل میں اس وقت موجود ہے بھی یا نہیں۔ کیونکہ جب مسلمانوں کے اسلاف میں پہلی صدی سے لیکر اب تک کوئی گروہ بھی ایسا موجود نہیں رہا ہے جو اپنے پیغمبر کے حالات، اقوال اور تعلیمات کو شک ٹھیک محفوظ رکھتا، اور جب اس قوم کے چھوٹے بڑے سب کے سب ایسے پدیدیا منت تھے کہ جو کچھ جی میں آتا تھا گھڑ کر اپنے رسول کی طرف منسوب کر دیتے تھے تو اسلام کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں کیا جاتا۔ یہ بھی یقین نہیں کیا جاسکتا کہ عرب میں فی الواقع کوئی پیغمبر مبعوث ہوا تھا کیا عجب کہ عوام پر گرفت قائم کرنے کے لئے رسول اور رسالت کا افسانہ گھڑ لیا گیا ہو۔ اسی طرح قرآن کے متعلق بھی شک کیا جاسکتا ہے کہ یہ فی الواقع کسی پیغمبر پر اترا تھا یا نہیں اور اگر اترا بھی تھا تو اپنی اصل عبارت میں محفوظ ہے یا نہیں، کیونکہ اس کے ہم تک پہنچنے کا ذریعہ وہی لوگ تھے جو یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کی باتیں کو پیغمبر کی طرف منسوب کرتے ہوئے ذرا نہ شرماتے تھے، یا وہ لوگ ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ ہوتا تھا اور وہ دم نہ مارتے تھے ”حق گو“ صاحب اور ان کے ہم خیال منکرین حیدر نے یہ ایسا حربہ و شتمان اسلام کے ہاتھ میں دیدیا ہے، جو حدیث کے فرائیم کئے ہوئے عربوں سے لاکھ درجہ زیادہ خطرناک ہے۔ اس سے تو اسلام کی جڑ بنیاد ہی کھوکھلی ہو کر پھینک دی جاسکتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حق گو صاحب نے حدیث کی کتابوں پر صرف عیب چینی کی نگاہ ڈالی ہے اور ان کے بے شمار جواہر کی طرف سے آنکھیں بند کر کے صرف ان چیزوں کو تلاش کیا ہے جو ان کے نزدیک حدیث پر طعن کرنے کے لئے مفید ہو سکتی تھیں۔ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر اسی عیب چینی کی نگاہ سے وہ قرآن کو دیکھتے تو یہ کتاب بھی ان کو سرسراہ عیوب سے لبریز نظر آتی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہزار ہا کفار قرآن کو پڑھتے ہیں، اور بجائے ہدایت پانے کے اور زیادہ گمراہ ہو جاتے ہیں یہی ناکہ وہ ہدایت کی طلب میں قرآن نہیں پڑھتے بلکہ عیوب تلاش کرنے اور اسلام کے خلاف اقدام فراہم کرنے کے لئے پڑھتے ہیں۔ اسی وجہ سے تو ان کو قرآن میں بحر عیوب کے اور کچھ نہیں ملتا، کیونکہ انسان ہر جگہ وہی پاتا ہے جس کی اسے طلب ہوتی ہے۔ لہذا ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ قرآن کا مطالعہ کرتے وقت حق گو صاحب کی آنکھوں پر عیب چینی کی عینک نہ لگ گئی، ورنہ وہ دیکھتے کہ مخالفین اسلام کو بہت سے اسلحہ اس کتاب نے بھی فراہم کئے ہیں، اور یہ بات ان کو قرآن سے بھی انکار کر دینے پر اسی طرح آمادہ کر دیتی جس طرح حدیث کے فراہم کردہ اسلحہ دشمنوں کے ہاتھ میں دیکھ کر انہوں نے حدیث سے انکار کر دیا۔

”حق گو صاحب نے حدیث پر جتنے اعتراضات کئے ہیں، ان سب کا لفظ بہ لفظ جواب دیا جاسکتا ہے، لیکن ہم جزئیات میں الجھنا مناسب نہیں سمجھتے، البتہ چند اصولی باتوں پر کلام کرنا چاہتے ہیں جو دراصل مدار بحث ہیں۔ اگرچہ ان کی اور عام منکرین حدیث کی عیب جو یا نہ ذہنیت کو دیکھتے ہوئے اصلاح کی امید کم ہے، لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ ان لوگوں کی گمراہی کا آغاز دراصل نیک نیتی کے نقطہ سے ہوتا ہے، اور محض ناواقفیت اور ضدان کو غلط راستوں پر ڈال دیتی ہے اس لئے ہم امید کرتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنے ذہن کو منکرانہ خیالات سے تھوڑی دیر کے لئے خالی رکھ کر ہمارے دلائل پر غور کیا تو ان کے عقیدہ کی اصلاح ہو جائے گی۔

سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن اور اس سے پہلے تمام آسمانی کتابوں کو رسولوں کے واسطے سے کیوں نازل کیا؟ کیا اللہ اس پر قادر نہ تھا کہ مطبوعہ کتابیں یا یکایک زمین پر اتار دیتا اور انکا ایک ایک نسخہ نوع بشری کے ہر فرد کے پاس آپ سے آپ پہنچ جاتا؟ اگر وہ اس پر قادر نہ تھا تو عاجز تھا۔ اس کو خدا ہی کیوں مانیں۔ اور اگر وہ قادر تھا اور یقیناً قادر تھا تو اس نے فرشتوں کا یہ ذریعہ کیوں نہ اختیار کیا؟ یہ تو اظہار ہر ہدایت کا ایک یقینی ذریعہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ایسے صریح معجز اور بین غرق عادتہ کو دیکھ کر ہر شخص مان لیتا کہ یہ ہدایت خدا کی طرف سے آئی ہے لیکن خدا نے ایسا نہ کیا اور ہمیشہ رسولوں ہی کے ذریعہ سے کتابیں بھیجتا رہا۔ پھر اس رسالت کے کام پر بھی اس نے فرشتوں یا دوسری غیر انسانی ہستیوں کو مامور نہ کیا، بلکہ ہمیشہ انسانوں ہی کو اس کے لئے منتخب فرمایا۔ ہر زمانہ کے کفار نے بہتیرا کہا کہ اگر خدا کو ہم تک کوئی پیغام پہنچنا منظور ہی ہے تو وہ فرشتے کیوں نہیں بھیجتا؟ تاکہ ہم کو بھی اس پیغام کے منزل میں اللہ ہونے کا یقین آجائے۔ مگر خدا نے ہر ایسے سوال پر یہی فرمایا کہ اگر ہم نہ فرشتے بھیجتے تو ان کو آدمی بنا کر بھیجتے و لو جعلنہ ملکا لجعلنہ رجلاً۔ (۱۰:۶) اور یہ کہ اگر زمین میں فرشتے بے ہوتے تو ہم ان کی ہدایت کے لئے فرشتے بھیجتے۔ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يُنْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا۔ (۱۱:۱۷)

سوال یہ ہے کہ تنزیل کتب کے لئے رسولوں کو واسطہ بنانے اور رسالت کے لئے تمام بندگانِ خدا میں سے بالخصوص انسانوں ہی کو منتخب کرنے پر اس قدر اصرار کیوں ہے؟ اس کا جواب خود کلام اللہ دیتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ خدا نے جتنے فرشتے بھیجے ہیں ان کی بہشت کا مقصد یہ رہا ہے کہ وہ فرامینِ خداوندی کے مطابق منکمل دیں اور لوگ ان کے احکام کی اطاعت کریں، وہ انکی قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں اور لوگ انہی کے نمونے کو دیکھ کر اس کا اتباع کریں۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا يَبْطِغِ فِي ذُنُوبِهِمُ اللَّهُ (۴: ۱۹)۔ انبیاء علیہم السلام پورے آئے اور ہر ایک نے لوگوں سے ہجرت

مطالبہ کیا کہ خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ لَاتَقُوا اللَّهَ وَآٰلِهٖٓ وَارْتَبِعُوا صُلٰٓتَہٗ (۲۶: ۲۶)۔ ۱۰-۹-۸-۷-۶-۵-۴-۳-۲-۱

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا کہ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاَتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمْ اللّٰہُ۔ (۳: ۳) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ لَقَدْ کَانَ کُفْرٌ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسُوْۃً حَسَنَةً (۳: ۲۳) اگر محض کتاب اللہ اتاری جاتی اور کوئی رسول داتا تو لوگ آیات کے معانی میں اختلاف کرتے اور کوئی اس کا فیصلہ کرنے والا نہ ہوتا۔ لوگ احکام کے منشا سمجھنے میں غلطیاں کرتے اور کوئی ان کو صحیح منشا بتانے والا نہ ہوتا۔ اس صورت کو تو خیر ایک حد تک فرشتے بھی پورا کر سکتے تھے مگر پاکیزگی، طہارت اور تقویٰ کے احکام پر لوگ یہ خیال کرتے کہ عملی زندگی میں ان پر عمل کرنا انسان کے بس کا کام نہیں ہے۔ فرشتہ تو انسانی جذبات سے مبرا ہے پیٹ نہیں رکھتا۔ شہوانی قوتیں نہیں رکھتا انسانی ضرورتوں سے بے نیاز ہے، اس کے لئے تعبدانہ زندگی بسر کرنا کچھ مشکل نہیں مگر ہم انسانی کمزوریاں رکھتے ہوئے اس کی تقلید کیسے کریں؟ اس لئے ضروری تھا کہ ایک انسان، انہی جذبات و داعیات اور انہی تمام قوتوں اور انسانی تعلیمات کے ساتھ زمین پر آتا اور لوگوں کے سامنے احکام الہی کے مطابق زندگی بسر کر کے بتاتا کہ اس طرح خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کر سکتا ہے۔ اس کو زندگی کے وہ تمام معاملات پیش آتے جو انسان کو پیش آتے ہیں وہ ان تمام معاملات میں عام انسانوں کے ساتھ شریک ہوتا۔ علما حصہ لیتا، اور قدم قدم پر ان کو اپنے عمل اور اپنے قول سے ہدایت دیتا، ان کی تربیت کرتا، اور انہیں بتاتا کہ زندگی کی پیچیدہ راہوں میں سے کس طرح انسان نجات اور نیکی کے سیدھے راستے پر چل سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے تمہا کتاب اللہ کو کافی سمجھا اور رسول اللہ کے اتباع اور ان کے اسوہ حسنہ کی پیروی کو اس کے ساتھ لازم کر دیا۔

قرآن شریف میں صاف طور پر تین چیزوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حکم خدا۔ دوسرے حکم رسول۔ تیسرے اولی الامر من المؤمنین کا حکم۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول واطیعوا

أُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ (۴: ۸) اگر محض قرآن کا اتباع کافی ہوتا اور اس کے سوا کسی دوسری چیز کے اتباع کی حاجت نہ ہوتی تو رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہی نہ دیا جاتا۔ اگر رسول اور اولی الامر کا حکم قرآنی احکام پر زاید کوئی شے نہ ہوتا، تب بھی بقیہ دونوں کی اطاعت کا حکم الگ دینے سے منہ پھرتا۔ چوتھیں چیزوں کی اطاعت کا الگ الگ حکم دینا صاف بتاتا ہے کہ قرآن میں جو احکام براہ راست اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں، ان کے علاوہ وہ احکام بھی واجب الطاعت ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اطاعت بعینہ ایسی ہے جیسے اللہ کی اطاعت۔ مَنْ يَطْعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (۴: ۸۱) پھر ان کے ماسوا جو احکام مسلمانوں کے اولی الامر دیں ان کی اطاعت بھی لازم ہے بشرطیکہ ان کے احکام خدا اور رسول کے احکام سے مولیٰ مطابقت رکھتے ہوں اختلاف کی صورت میں ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی دی ہوئی ہدایات کی طرف رجوع کیا جائے۔ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (۸: ۴۵)

اس سے معلوم ہوا کہ نہ کتاب اللہ کافی نہیں ہے، اس کے ساتھ رسالت کا رشتہ ناقص نہ قطع ہے، اور احکام رسول کی اطاعت اور اسوۂ رسول کی پیروی بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح خود کتاب اللہ کے احکام کی اطاعت فرض ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ ہم صرف کتاب اللہ کو لیں گے اور حکم رسول و اسوۂ رسول کو نہ لیں گے وہ رسالت سے اپنا تعلق منقطع کرتا ہے، وہ اس واسطے کو کتاب اللہ سے جسے خود اللہ نے اپنے بندوں اور اپنی کتاب کے درمیان ایک لازمی واسطہ کے طور پر قائم فرمایا ہے وہ گویا یہ کہتا ہے کہ خدا کی کتاب اس کے بندوں کی ہدایت کے لئے کافی تھی مگر خدا نے بلا ضرورت یہ فعل عبث کیا کہ کتاب کو رسول کے ذریعہ سے نازل فرمایا، سبحانہ و تعالیٰ عما یقولون کتاب اللہ اور سنت رسول کا لازمی تعلق ثابت ہو جانے کے بعد اب اس سوال پر غور کیجئے کہ آیا رسول اللہ کے احکام کی اطاعت اور ان کے اسوۂ حسنہ کی پیروی صرف ان کی حیثیت

مکتب ضروری تھی؟ ان کے بعد اس کی حاجت باقی نہیں رہی؟ اگر ایسا ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت صرف اسی عہد کے لئے تھی جس میں آپ جسم کے ساتھ زندہ تھے۔ آپ کے رحلت فرماتے ہی آپ کی رسالت کا تعلق علما دنیا سے منقطع ہو گیا۔ اس صورت میں رسالت کا منصب محض بے معنی ہو جاتا ہے۔ رسول کا کام اگر محض ایک نامہ بر کی طرح کتاب اللہ کو پہنچا دینا تھا، اور اس کے بڑھ کر کسی اور چیز کی ضرورت نہ تھی تو ہم پھر وہی کہیں گے کہ اس صورت میں رسول کی ضرورت ہی تھی؟ یہ کام کوئی فرشتہ کر سکتا تھا، لہذا اسے بلا واسطہ بھی کرنا ممکن تھا۔ لیکن اگر کتاب پہنچا دینے کے علاوہ بھی کسی شے کی ضرورت تھی اور اُسی کے لئے اطاعت اور اتباع کے احکام دیے گئے تھے، اور اگر ہدایت نوع بشری کے لئے قرآن کے ساتھ رسول کی ہدایات اور سیرت نبوی کے عملی نمونے کی بھی ضرورت تھی تو پھر یہ سب کچھ صرف بیس چوبیس سال کے لئے ہونا کیا معنی؟ محض ایک صدی کے چوتھائی حصہ کے لئے ایک رسول مبعوث کرنا اور اتنی سی مدت کے لئے رسالت کا اتنا بڑا منصب قائم کرنا، اور ایک ایسی چیز کو اتنی شد و مد کے ساتھ ذریعہ ہدایت قرار دینا جو رسول کے جسم و جان کا تعلق منقطع ہوتے ہی دنیا کے لئے غیر ضروری ہو جانے والی تھی، یا کھل بچوں کا کھیل معلوم ہوتا ہے۔ جو خدا کے حکیم و دانائے برگزئیان شان نہیں ہے۔

اس الزام کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دفع کر دیا ہے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۲۱: ۲۷) ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ کا بیضا رسالت صرف اپنے زمانے تک کے لئے ہوتا تو آپ کو رحمتہ اللعالمین نہیں کہا جاسکتا تھا؟ اگر کہا جائے کہ آپ قرآن لائے ہیں جو ہمیشہ رہنے والا ہے اور اسی لئے آپ رحمتہ للعالمین ہیں، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ ہدایت، خود رحمت نہ ہوئے بلکہ قرآن کے واسطے سے ہوئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو الگ رحمت قرار دیا ہے اور اس کے لئے واسطہ کو الگ۔ پھر یہ جو فرمایا ہے کہ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ

(لَا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ) (۳: ۳۴) یہ ارشادِ خدا
 اشارہ کر رہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت سے لیکر قیامت تک جن بندگانِ خدا
 لفظ "اناس" کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان سب کے لئے آپ خدا کے رسول ہیں۔ آپ کی رسالت کسی
 خاص زمانہ کے لئے نہیں ہے، بلکہ جب تک روئے زمین پر انسانیت ہے اس وقت تک آپ
 کی رسالت قائم ہے۔ آیت میں کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ "الناس" سے صرف اسی
 زمانہ کے لوگ مراد ہیں۔ نہ ایسا کوئی خفیف سے خفیف اشارہ موجود ہے جس سے بعد کے کسی خاص زمانے
 تک کی قید نکلے ہو۔ غلات اس کے دوسری آیات اس تفسیر کی تائید کرتی ہیں کہ حضور کی رسالت
 ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور کے ذریعہ سے دین کی تکمیل کر چکا ہے۔ اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَتَمَمْتُ
 عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي (۵: ۱) حضور کی ذات پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ
 رِّجَالِكُمْ وَلَكِن تَرَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (۳۳: ۵)
 اور دوسرے انبیاء کی لائی ہوئی کتابوں کے غلات آپ کی لائی ہوئی کتاب کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کیا
 گیا ہے کیونکہ پہلی کتابیں مخصوص زمانوں کے لئے ہدایت تھیں اور یہ دائمی ہدایت ہے۔ وَإِنَّا
 لَهُ لَحَافِظُونَ - (۱۵: ۱) -

باقی